تعلیمات نبوی ﷺ اور اصلاحِ معیشت

مریم ناز
رکن مجلس التفسیر

لغت کی زبان میں قصد و اقتصاد 'میانہ روی' اور 'اچھے چلن' کا نام ہے۔ مگر علمی اصطلاح میں ایسے وسائل کی 'دریافت' کو کہتے ہیں جو دولت و ثروت کے پیدا کرنے کے مناسب طریقے، اسکے خرچ کے صحیح استعمال اور اسکی ہلاکت و بربادی کے 'حقیقی اسباب' بتا سکیں۔ اسلئے 'علم الاقتصاد' (معاشیات) اس علم کا نام ہے جو ان وسائل پر بحث کرتا اور انکے صحیح اور غلط ہونے پر مطلع کرتا ہو۔(۱)

انسانی زندگی میں معیشت کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ انسان اپنی بقاءِ زندگی اور فروغِ زندگی کیلئے ہمیشہ سے وسائلِ معاش کا محتاج رہا ہے۔ تاریخی طور پر جو بھی وسائلِ حیات کا مرکز رہا ہے وہ طاقت کا سرچشمہ رہا ہے۔ ہر انسان میں یہ فطری جذبہ موجود ہے کہ اس کو زندگی سے فائدہ اٹھانا چاہیے مگر یہ انفرادی جذبہ جب زندگی کی کشمکش اور وسائلِ حیات کی کشاکش میں ایک دوسرے سے ٹکراتا ہے تو قانون فطرت جو کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے تمام کائنات پر حاوی ہے، ہر انسان کو اجتماعی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیتا ہے، لیکن یہ حیاتِ اجتماعی کسی نظام کے بغیر تصور نہیں کی جا سکتی۔ دنیا کے تمام قدیم و جدید مفکرین نے معاشی مسئلے کو علمی اور عملی دونوں طریقوں سے حل کرنے کی کوشش کی ہے اور آجتک اس کوشش کا سلسلہ جاری ہے۔

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ انسانی زندگی میں معاش کی اہمیت کے پیشِ نظر ایسا ممکن ہی نہیں کہ اس سلسلے میں ہمارے دین نے ہمیں ہدایات نہ دی ہوں۔ نبی آخر الزمان ﷺ کی تعلیمات قرآن و حدیث کی صورت میں تمام شعبہ ہائے حیات پر محیط ہیں۔ زندگی کا کوئی بھی پہلو ہو، چاہے

اخلاقیات و معاملات ہوں یا عبادات، سماجی تعلقات و معاشیات ہوں یا سائنس و ٹیکنالوجی کا میدان، غرضیکہ انفرادی و اجتماعی زندگی کا کوئی بھی پہلو ایسا نہیں ہے جسکے بارے میں قرآن و حدیث سے راہنمائی نہ ملتی ہو۔

تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں اصلاحِ معیشت کی ضرورت

موجودہ زمانہ مادیت کی ترقی کا زمانہ ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام نے دنیا کو اپنے شکنجے میں کسا ہوا ہے اور ایسا لگتا ہے کہ لوگ گویا اپنی چھوٹی چھوٹی خوشیاں ترقی کی خواہش کے عوض گروی رکھ چکے ہیں۔ معاشرے میں معاشی ابتری پھیل چکی ہے کیونکہ سرمایہ دارانہ نظام کی یہ خاصیت ہے کہ معاشرے میں ارتکازِ زر اور حبِ زر کی وجہ سے بگاڑ پیدا کر دیتا ہے۔ لوگ واضح طور پر طبقات میں تقسیم ہو چکے ہیں۔ ایک طرف تو دولت کا یہ عالم ہے کہ لوگ خرچ کرنے کے بہانے ڈھونڈتے ہیں، انہیں سمجھ نہیں آتا کہ وہ اپنی بے حد و حساب دولت کسطرح خرچ کریں اور وہ نمود و نمائش کے ذریعے معاشرے میں ذہنی ابتری پھیلانے کا باعث بنتے ہیں۔ جبکہ دوسری طرف یہ حال ہے کہ زندگی روز بروز مشکل تر ہوتا جا رہی ہے۔ لوگ تنگ آ کر دولت کمانے کے ناجائز ذرائع اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

لوگ موجودہ نظام سے مایوس ہو چکے ہیں مگر مجبور ہیں کہ انہیں اصلاح کی کوئی راہ سجھائی نہیں دیتی۔ ایسے میں ہر طرف سے مایوس ہونے کے بعد نگاہ اُس ہستی ﷺ کی طرف اٹھتی ہے جسکی تعلیمات نے عرب کے بدوؤں کو مکہ کی آغوش سے نکال کر آدھی سے زیادہ دنیا کا مالک بنا دیا اور دنیا یہ رائے دینے پر مجبور ہو گئی کہ ایک عمرؓ اور ہوتا تو دنیا سے کفر کا نام و نشان مٹ جاتا۔ آخر کیا وجہ ہے کہ جب اُس مبارک ہستی ﷺ کی بتائی گئی تعلیمات پر عمل کیا گیا تو خوشحالی کا دور دورہ ہو گیا؟ لوگ پیسے ہاتھ میں لیکر گھومتے تھے مگر زکوۃ لینے والا نہ ملتا تھا۔ کیا اب ایسا نہیں ہو سکتا کہ معیشت کی اصلاح اسطرح ہو سکے کہ عام آدمی بھی اپنی زندگی سکون سے بسر کر سکے؟ اسی سوال کا جواب تلاش کرنے کیلئے ہم تعلیمات نبوی ﷺ کی طرف رجوع کریں گے۔

چونکہ یہاں صرف اصلاح معیشت زیرِ بحث ہے اسلئے سرمایہ دارانہ نظام یا سوشلزم وغیرہ کا اسلامی معاشی نظام کے ساتھ موازنہ کرنے کی بجائے اس مقالے میں صرف ایسی آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی ﷺ بیان کی جائیں گی جن پر عمل پیرا ہونے کی صورت میں معیشت کی اصلاح ہو سکے اور عام آدمی ایک بہتر زندگی بسر کر سکے۔ لوگ دیکھیں اور غور و انصاف سے پرکھیں کہ اگر ان تعلیماتِ نبوی ﷺ

پر عمل کیا جائے جو ہمارے پاس آیات قرآنی اور احادیث کی صورت میں موجود ہیں تو کیا وجہ ہے کہ ہماری معیشت کی اصلاح نہ ہو سکے؟

حق معیشت میں مساوات اور انفاق فی سبیل اللہ

اسلام ایک ایسے نظام کا داعی ہے جسکی بنیاد انسانی ضروریات اور انفرادی و اجتماعی احتیاجات کی تکمیل پر قائم ہے۔ وہ معاشیات کو دولتمندوں کے درمیان نفع کی دوڑ کا میدان نہیں بنانا چاہتا بلکہ تکمیل ضروریات کیلئے ایک مفید اور نفع بخش ذریعہ بنا کر اسکی افادیت کو عام کرنا چاہتا ہے۔ اس نظام معیشت میں زیادہ سے زیادہ کمانے والے افراد بھی موجود ہوتے ہیں کیونکہ سعی و کسب کے بغیر ارتقاء ممکن نہیں لیکن جو فرد جتنا زیادہ کمائے گا اتنا ہی لوگوں کی فلاح کیلئے خرچ بھی کریگا اور جماعت بحیثیت جماعت کے خوشحال ہوتی جائے گی۔ ایسا اسلئے ہے کہ جماعت ایک جسم کی حیثیت رکھتی ہے اور فرد اس جسم کے ایک عضو کی۔

اور اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں برتری دی ہے۔
پھر ایسا نہیں ہوتا کہ جن کو زیادہ روزی دی گئی ہے وہ اپنی روزی کو اپنے زیر دستوں پر لوٹا دیں حالانکہ اس روزی میں وہ سب کے سب برابر کے حقدار ہیں،
پھر کیا یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے صریح منکر نہیں ہو رہے ہیں۔(۲)

اس آیت میں حق معیشت کی مساوات کا اسقدر صریح و واضح اعلان ہے جسکا انکار ممکن نہیں۔ رزق کی وسعت و تنگی کا دامن بلاشبہ خالق کائنات کے ید قدرت میں ہے لیکن اس کارزار ہستی میں کسی کا فاقہ مستی اور تنگدستی سے مجبور و مقہور رہنا خود اس نظام کا 'ناقابل معافی جرم' ہے جس میں وہ آباد ہے۔ اسلامی معاشی نظام قطعاً اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ایک طبقہ کی کمائی دوسرے طبقوں کیلئے محتاجی و مفلسی کا پیغام ہو جائے، جیسا کہ آجکل ہو رہا ہے۔ دراصل ہم میں سے ہر ایک کی ذمہ داری لگائی گئی ہے کہ ہم اپنے سے کم حیثیت لوگوں اور کمزوروں کی مدد کریں اور معاشرے میں انکو اپنے برابر لانے کیلئے اقدامات کریں۔ فرد چونکہ جماعت کا ایک حصہ ہے اسلئے اس کی انفرادی کمائی پر اجتماعی معیشت کے حقوق بھی عائد ہوتے ہیں اور اسلامی اصطلاح میں اسکا نام انفاق فی سبیل اللہ ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا، جس شخص کے پاس قوت و طاقت کے سامان اپنی حاجت سے زائد ہوں اس کو چاہیے کہ

اس فاضل سامان کو کمزور کو دے دے اور جس شخص کے پاس سامان خورد و نوش حاجت سے زائد ہو اس کو چاہیے کہ فاضل سامان نادار اور حاجتمند کو دیدے۔
ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اسی طرح مختلف انواع مال کا ذکر فرماتے رہے حتیٰ کہ ہم نے یہ گمان کر لیا کہ ہم میں سے کسی شخص کو اپنے فاضل مال پر کسی قسم کا کوئی حق نہیں ہے۔(۳)

آیئے ذرا جائزہ لیتے ہیں کہ درج بالا حدیث پر عمل کے کیا اثرات ہو سکتے ہیں۔ فرض کیجئے کہ موجودہ نظام برقرار ہے اور ہم صرف درج بالا حدیث پر عمل کر رہے ہیں۔ جب دولتمند افراد غریب افراد کو اپنا کمایا ہوا مال دیں گے تو ارتکاز زر کے مسئلے کی بنیاد ہی ختم ہو جائے گی جو کہ معیشت کی خرابی کی جڑ ہے اور یوں کساد بازاری بھی ختم ہو جائے گی اسکے علاوہ امیر و غریب کے درمیان سب سے پہلا جو جذبہ پیدا ہوگا وہ محبت اور اخوت کا ہوگا۔ وہ اخوت جس نے عالم اسلام کو ایک اکائی کی مانند بنا دیا تھا، وہ جذبہ اخوت جس نے حجاج بن یوسف کو ہزاروں میل دور بیٹھی ایک عورت کی پکار پر اٹھنے پر مجبور کر دیا اور سندھ کو باب الاسلام بنا دیا۔ یہ جذبہ آج بھی ہمارے بہت سے مسائل کا حل ہے۔ یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری ہے کہ آپ گہری نگاہ سے اسلامی ضابطہ حیات کا مطالعہ کریں تو انسانوں سے محبت، ہمدردی اور مسلمانوں کے درمیان اخوت کا جذبہ نمایاں نظر آئے گا اور یہی جذبہ اسلامی نظام معیشت کے پس منظر میں واضح ہے۔ اس نظام میں دولت نہیں انسان اہم ہے کیونکہ دولت انسانوں کیلئے کمائی جاتی ہے، انسان کو دولت کیلئے پیدا نہیں کیا گیا۔ آپ کے مسائل میں حل کروں، میرے مسائل آپ حل کریں، ہمارے وسائل ایک دوسرے کے کام آئیں۔ اور لیجئے جناب! زندگی بڑی آسانی، ہنسی خوشی کیساتھ اور کسی خوف کے بغیر بسر کریں۔ آدھے سے زیادہ معاشی و سماجی مسئلے ہی ختم اور معیشت کی اصلاح ایک بہت بڑی جمپ کیساتھ شروع۔ یہ تو ہماری کم عقلی اور بے وقوفی ہے کہ اتنی بہترین تعلیمات کے باوجود ہم اجنبیوں کی طرح زندگی گزار کر اپنی مشکلات میں اضافہ کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کے درمیان اجنبیت اور غیریت کا کیا کام؟ بات کو مختصر کرتے ہیں کیونکہ صرف اخوت اور درج بالا حدیث کے اثرات پر ہی کئی صفحات لکھے جا سکتے ہیں تاہم میری طرف سے تمام قارئین کیلئے دعوت فکر ہے کہ درج بالا احادیث اور اس سے ملتی جلتی احادیث لیں اور انکے روحانی، نفسیاتی، جسمانی، معاشرتی اور معاشی اثرات کا مطالعہ کریں۔
آپ کو خود پر فخر محسوس ہوگا کہ آپ ان لوگوں میں سے ہیں جن کا دین اسقدر شاندار تعلیمات دیتا ہے۔

ارتکاز زر کی حرمت

دولت و سرمایہ داری کے وہ تمام اصول قطعاً ناقابل تسلیم ہیں جن سے دولت معاشرے میں عام پھیلنے اور تقسیم ہونے کی بجائے سمٹ کر خاص حلقوں اور مخصوص طبقوں میں تقسیم ہو جائے اور اسطرح سے عام زندگی کو مفلوک الحال بنا دے۔ ارتکاز زر کی حرمت کے بارے میں مزید پڑھ لیجئے تاکہ کوئی شبہ باقی نہ رہے۔

> فقراء و مساکین، قرابتداروں اور یتیموں وغیرہ پر اللہ نے جو خرچ کرنے کا یہ طریقہ بتایا ہے اسلیے ہے کہ ایسا نہ ہو کہ مال و دولت صرف دولتمندوں ہی میں محدود ہو کر رہ جائے۔ (۴)

> وہ لوگ جو خزانہ بنا کر رکھتے ہیں سونے اور چاندی (یعنی زر مبادلہ) کو اور اسکو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے سو انکو دردناک عذاب کی خوشخبری دے دو۔ اس مال پر جہنم کی آگ دہکائی جائے گی، پھر اس سے دہکائی جائیں گی انکی پیشانیاں، پہلو اور انکی پیٹھ (اور کہا جائے گا کہ) یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے واسطے گاڑ رکھا تھا اور چکھو مزہ اپنے جمع کرنے کا۔ (۵)

ارتکاز زر کی حرمت کی بات ہو اور سود کا ذکر نہ ہو، یہ امر محال ہے کیونکہ سود ارتکاز زر کی ایک بہت اہم وجہ ہے۔ آیئے سودی سرمائے کی کارستانیاں دیکھتے ہیں اور سود کی حرمت کے بارے میں پڑھتے ہیں۔

سود

دنیا میں دو عظیم جنگیں کیوں ہوئیں؟ اور ایک طویل عرصے تک دنیا سرد جنگ کی لپیٹ میں کیوں رہی؟ اسکا جواب یہ ہے کہ یہ جنگیں، معرکے اور تباہ کاریاں درحقیقت سودی سرمائے کی عالمی بالادستی اور اسکے ردعمل کا نتیجہ تھیں۔ عالمی سودی سرمایہ سائنس، صنعت اور ٹیکنالوجی کی قیادت میں پوری دنیا میں انا ولا غیری کا نعرہ لگا کر دنیا بھر کے تمام وسائل، ذخائر، توانائی و معدنیات کے خزانوں اور افرادی استعداد پر بلا شرکت غیرے قابو پانا چاہتا ہے جبکہ اسکے استحصال سے آزادی، خودمختاری اور اقتصادی خودکفالتی کی لہر نے دیگر اقوام کو اپنی غربت، بے روزگاری اور احتیاج کے خاتمے کیلئے بغاوت و سرکشی پر آمادہ کیا اور یہی نقطہ عالمی جنگوں اور سرد جنگ کا آغاز بنا۔ (۶) اسی لئے تعلیمات نبوی ﷺ کی رو سے سود قطعاً حرام ہے۔

> اللہ نے بیع (تجارت و سودے بازی) کو حلال اور سُود کو حرام کیا ہے۔ (۷)

سود کا آخری نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دولت سمٹ سمٹ کر چند افراد کے پاس اکٹھی ہو جاتی ہے، عوام کی قوت خرید روز بروز کم ہوتی جاتی ہے، صنعت، تجارت اور زراعت میں کساد بازاری واقع ہوتی ہے، قوم کی معاشی زندگی تباہی کے سرے پر جا پہنچتی ہے اور آخرکار خود سرمایہ داروں کیلئے بھی اپنی جمع شدہ دولت کو افزائش دولت کے کاموں میں لگانے کا کوئی موقع باقی نہیں رہتا۔ جبکہ اسکے برخلاف زکوٰۃ و صدقات کا حکم اسلیے دیا گیا کہ قوم کے تمام افراد تک دولت پھیل جائے، ہر شخص کو کافی قوت خرید حاصل ہو، صنعتیں پرورش پائیں، کھیتیاں سرسبز ہوں، تجارت کو خوب فروغ ہو اور چاہے کوئی لکھ پتی یا کروڑ پتی نہ ہو مگر سب خوشحال اور فارغ البال ہوں۔ یہی وجہ تھی ابتدائے عہد اسلامی میں جب اس معاشی نظریے کو پوری شان و شوکت کیساتھ عملی جامہ پہنایا گیا تو چند سال کے اندر اندر قوم کی خوشحالی اس مرتبہ کو پہنچ گئی کہ لوگ زکوٰۃ کے مستحقین کو ڈھونڈتے پھرتے تھے اور مشکل سے ہی کوئی ایسا شخص ملتا تھا جو صاحب نصاب نہ ہو۔ (۸) اسی بات کی طرف یہ تعلیمات اشارہ کرتی ہیں۔

> اور جو یہ تم سود دیتے ہو تاکہ لوگوں کے اموال میں اضافہ کرو تو اللہ کے نزدیک وہ ہرگز نہیں بڑھتا۔ بڑھوتری تو ان اموال کو نصیب ہوتی ہے جو تم اللہ کیلئے زکوٰۃ (اور صدقات کی مد میں) دیتے ہو۔ (۹)

> نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ سُود اگرچہ کتنا ہی زیادہ ہو مگر انجام کار وہ کمی کیطرف پلٹتا ہے۔ (۱۰)

تجارت

اقتصادی نظام کی ترقی و برتری کا راز سب سے زیادہ تجارت میں مضمر ہے۔ جو قوم جس قدر اس میں دلچسپی لیتی ہے وہ اسی قدر اپنی اقتصادی بہبود کی زیادہ کفیل بنتی ہے بصورت دیگر وہ اقتصادی نظام میں ہمیشہ دوسروں کے دست نگر رہتے ہیں اور اسی راہ سے دوسری اقوام اسکے تمدن، تہذیب، معیشت، سیاست بلکہ مذہب پر بھی قابض ہو جاتی ہیں اور انہیں غلام بنا کر ان پر بالواسطہ یا بلاواسطہ حکومت کرتی ہیں۔ دنیا میں موجود سیاسی و مذہبی کشمکش کے پیچھے معیشت اور تجارتی منڈیوں کا عمل دخل ہے، مغرب نے صرف اور صرف صنعت، تجارت، مالیات اور برآمدات کی طاقت سے مشرقی اقوام کو یرغمال بنایا ہوا ہے (مزید تفصیلات کیلئے دیکھیے عالمی نظام سیاست و اقتصاد (۱۱))۔ اب ذرا پڑھیے کہ ہمارے نبی ﷺ

ہمیں اس بارے میں کیا تعلیم دیتے ہیں۔

اپنے اموال کو آپس میں باطل کی راہ سے نہ کھاؤ بلکہ باہمی رضا کیساتھ تجارت کی راہ سے نفع حاصل کرو۔(۱۲)

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ سچے اور امانتدار تاجر کا حشر نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کیساتھ ہوگا۔(۱۳)

تجارت اس دنیا میں معاشی اعمال میں سے سے بڑا وسیلہ معاش ہے اور تمدن وحضارت کے اسباب میں سب سے بڑا سبب ہے۔(۱۴)

آجر اور اجیر کا مسئلہ

آجر اور اجیر کے مسائل میں درجہ ذیل تعلیمات ہماری رہنمائی کرتی ہیں:

یقیناً جسے تو نوکر رکھے اس میں اچھا وہ ہے جو قوت والا ہو اور امانت والا۔(۱۵)

اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ جب بندہ کوئی کام کرے تو اس میں اتقان پیدا کرے یعنی اس کو ٹھیک جیسا کہ (کرنا) چاہیے اسی طرح انجام دے۔(۱۶)

کسی سے خدمت لے کر اس کی واجبی (جائز) اجرت نہ دینا اس معنی میں ہے کہ کسی آزاد شخص کو فروخت کر کے اس سے معیشت پیدا کرنا۔ اسلئے کہ جب کسی نے بغیر عوض (یا کم اجرت) کے اپنے منفعت (کام) کو پورا کر لیا تو گویا اس شخص کی ذات کو فروخت کر کے اسکو روزی بنا لیا۔ اس لئے بغیر (یا کم) اجرت دے کر کام لینا گویا اس کو اپنا غلام سمجھ لینا ہے۔(۱۷)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مزدور کی اجرت اسکے پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔(۱۸)

اب کہیے کہ کیا درج بالا تعلیمات آجر کے اس ڈر کے ساتھ ساتھ کہ worker اپنی پوری صلاحیت اور ایمانداری کے ساتھ کام نہیں کرے گا اجیر کے اس خوف کا بھی خاتمہ نہیں کرتیں کہ اس کی حق تلفی کی جائے گی؟ اب آپ انصاف سے کام لے کر بتایئے کہ درج بالا احادیث کی روشنی معیشت کی اصلاح ہو رہی ہے یا نہیں؟

آپ قرآنی آیات اور 'باب الاجارۃ' کے تحت آنے والی احادیث کا مطالعہ انفرادی وسماجی

بہبود کی روشنی میں کریں تو آجر اور اجیر کے عالمی مسئلے کو انتہائی خوش اسلوبی کیساتھ حل ہوتا ہوا دیکھیں گے۔

زراعت

زراعت کی اہمیت معیشت میں مسلّم ہے۔ جب تک کوئی قوم خوراک میں خودکفیل نہیں ہوگی وہ معاشی طور پر دوسروں کی محتاج رہے گی خواہ وہ صنعتی طور پر کتنی بھی ترقی کر جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

رزق کو زمین کی پہنائیوں (گہرائیوں) میں تلاش کرو۔(۱۹)

جو مسلمان درخت بوتا ہے یا کھیتی کرتا ہے اور اس سے پرندے، انسان اور جانور اپنی خوراک حاصل کرتے ہیں تو یہ عمل اسکے حق میں صدقہ بنتا ہے یعنی اجر وثواب کا باعث بنتا ہے۔(۱۹)

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:

اگر کسی ملک کے باشندوں کی اکثریت صنعت وحرفت اور شہری سیاسیات ہی میں مصروف رہے اور زراعت اور مویشیوں کی حفاظت اور پرورش کی جانب بہت تھوڑے لوگ مشغول ہوں تو انکی دنیاوی تمدنی زندگی فاسد اور خراب ہو جائے گی۔(۲۰)

اب ہماری کوتاہ بینی ملاحظہ ہو کہ بجائے اسکے کہ ہم ان ارفع تعلیمات پر عمل کرتے اور خوراک میں خودکفیل ہوتے، سامراجی پراپیگنڈے کا شکار ہو کر ہم نے اپنی Exports میں اضافے کی خاطر نقد آور فصلیں کاشت کرنا شروع کر دیں۔ اس طرح سے ساہوکاروں کی دولت میں تو اضافہ ہوا لیکن عوام اناج کی کمی کا شکار ہو گئے۔ آپکے علم میں یہ بات لازمی آنی چاہیے کہ دنیا میں سازشیں کر کے بھوک، افلاس اور قحط سالی کو پھیلایا جاتا ہے۔ چونکہ یہ موضوع زیر بحث نہیں ہے لہذا مزید تفصیلات کیلئے دیکھیں How the Other Half Dies: The Real Reasons For World Hunger (۲۱) اور The Politics of World Hunger: Grass-Roots Politics and World Poverty (۲۲)

جاگیردارانہ نظام کی قباحتوں پر پوری کتاب لکھی جاسکتی ہے۔ تاہم اسلام کے جذبہ اخوت کے پیش نظر اس کی اصلاح بھی ممکن ہے۔

عمرو بن دینار نے کہا، میں نے طاؤس سے کہا کہ بٹائی (پر زمین دینا) چھوڑ دو تو

بہتر ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ طاؤس نے کہا کہ میں لوگوں کو زمین دیتا ہوں، انکا فائدہ کرتا ہوں اور صحابہ میں جو بڑے عالم تھے یعنی حضرت عباسؓ انھوں نے مجھ سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے بٹائی سے منع نہیں کیا البتہ یہ فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو (کاشت کیلئے) یوں ہی مفت زمین دے دے تو اس سے بہتر ہے کہ اسکا محصول (نقد یا فصل کی صورت میں) لے۔ (۴۳)

حضرات! آپ ہی بتائیے کہ اس حدیث پر عمل کی صورت میں ہمارا غریب دیہی طبقہ کیا خوشحالی کی راہ پر گامزن نہ ہوگا؟ اسکے علاوہ تمام تر زرعی زمین کاشت ہونے کی وجہ سے زرعی اجناس کی بہتات ہوگی اور انکی قیمتوں میں جسقدر کمی آئیگی اس کا بھی بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

'انفرادی معیشت کی اصلاح'

معیشت اور اسباب معیشت کا تعلق انسان کی اجتماعی اور انفرادی دونوں قسم کی زندگی سے وابستہ ہے۔ انفرادی اور اجتماعی شعبہ ہائے حیات کے درمیان لازم وملزوم کا رشتہ قائم ہے اور ایک کا اثر دوسرے پر پڑتا ناگزیر ہے، تاہم دونوں شعبوں کی تفصیلات جدا جدا ہیں۔ یہاں اجتماعی معیشت پر مفصل بحث کا موقع نہیں ہے کیونکہ اس میں حکومت کا بہت عمل دخل ہوتا ہے جسکی توضیح کیلئے نظام حکومت اور سماجی اداروں کے کردار پر بحث لازمی ہے جو کہ اس مضمون کا موضوع نہیں ہے۔

اسلام انفرادی معیشت کو چار حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ پہلے حصے میں انسان کو کسب معاش کی ترغیب دی ہے اور باقی تین حصوں میں ان سوالات کو حل کیا گیا ہے جو معیشت کے مسئلے میں فوری طور پر سامنے آتے ہیں یعنی (1) کیا کمائیں؟ (2) کیا خرچ کریں؟ (3) کس پر خرچ کریں؟ (۴۴)

کسب معاش کیلئے ترغیبات

اس خدشے کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ کہیں معاشرے میں فارغ رہ کر کھانے والوں کی ایک تعداد پیدا نہ ہوجائے، انسان کو جدوجہد کی تلقین کی گئی ہے کیونکہ جمود اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جانے والی زندگی موت کے مترادف ہے، اسکو حیات کہنا بے معنی ہے اور نہ ہی اسکو تو کل کی زندگی کہا جاسکتا ہے۔

حضرت مقدادؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کوئی کھانا نہیں ہے اور حضرت داؤدؑ اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے (یہاں

مختلف صنعتوں کے قیام کیطرف بھی اشارہ ہے)۔ (۴۵)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم فجر کی نماز پڑھ لو تو اپنے رزق کی جدوجہد کے بغیر نیند (آرام) کا نام نہ لو۔ (۴۶)

ہمیں سکھایا گیا کہ دنیا میدان عمل ہے۔ یہاں جمود موت کے مترادف ہے۔ اس کارگاہ ہستی میں اللہ تعالٰی نے سامان رزق کے ذخیرے جمع کر دیئے ہیں مگر تلاش و سعی شرط ہے۔ بقول اقبالؒ:

'پوشیدہ قرار میں اجل ہے'۔

کسب معاش کے اساسی اصول:

آیئے تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں دیکھتے ہیں کہ کیا کمایا جائے؟ اور کسب معاش کیلئے کونسے ذرائع اختیار کئے جائیں؟

اے لوگو! جو کچھ زمین میں ہے اس میں سے حلال طیب کھاؤ اور شیطان کے راستوں پر نہ چلو، بلاشبہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ (۴۷)

علامہ رشید رضا نے تفسیر المنار میں لکھا ہے۔

۔۔۔ پس جو شے ناحق لی گئی اور صحیح طریق کار سے حاصل نہیں کی گئی بلکہ سود، رشوت، جوا، ظلم، غصب، دھوکہ، خیانت اور چوری جیسے ناپاک ذرائع سے حاصل کی گئی وہ بھی حرام ہے اسلئے کہ 'طیب' (حلال) نہیں ہے۔۔۔۔ (۴۸)

معمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ احتکار (ذخیرہ اندوزی) کرنے والا گنہگار ہے۔ (۴۹)

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو چالیس دن غلہ بند کرتا ہے اور اسکے مہنگا ہونے کا انتظار کرتا ہے وہ اللہ سے بیزار ہوا اور اللہ تعالٰی اس سے بیزار ہوا۔ (۵۰)

اسلامی معیشت میں 'اقتصاد' (میانہ روی) مطلوب ہے اور 'اکتناز' (اجتماعی حقوق کو نظر انداز کر کے دولت کو جمع کرنا) اور 'احتکار' (ناجائز وسائل معیشت سے مال اکٹھا کرنا) حرام اور مردود ہے۔ (۵۱)

اب آپ آسان الفاظ میں یوں سمجھ لیں کہ 'اکتناز' اور 'احتکار' کو حرام قرار دے کر اسلام نے عام مخلوق خدا کے افلاس اور فقر وفاقہ کی وجوہات ہی ختم کردی ہیں۔ اب بتایئے کہ معیشت smooth running

کیوں نہیں کرے گی؟

مصارف کے بنیادی اُصول

کیا خرچ کیا جائے؟ کتنا خرچ کیا جائے؟ کس پر خرچ کیا جائے؟ اگر ان سوالات کو تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں حل کیا جائے تو بہت سارے معاشی مسائل کا خود بخود خاتمہ ہو جاتا ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ اور کتنا خرچ کریں؟

> اللہ کے بندے وہ ہیں کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل (کنجوسی) برتتے ہیں بلکہ ان دونوں کے درمیان معتدل رہتے ہیں۔ (۳۲)

علامہ شبیر احمد عثمانی فوائد القرآن میں لکھتے ہیں۔

> خدا کا دیا ہوا مال فضول بے موقع مت اُڑاؤ۔ فضول خرچی یہ ہے کہ معاصی (گناہ کے کام) اور لغویات (ایسے کام جو انسان کو زیب نہیں دیتے اور انسانی عقل بھی ان سے منع کرتی ہے جیسے کہ شادی بیاہ وغیرہ پر بے جا اُڑانا) میں خرچ کیا جائے یا مباحات میں بلاسوچے سمجھے اتنا خرچ کر دے جو آگے چل کر تفویت حقوق (عائد شدہ حقوق کا ادا نہ کر سکنا) اور ارتکاب حرام کا سبب بنے۔ (۳۳)

اب ذرا ایک نظر اس پر بھی ڈالتے ہیں کہ کس پر خرچ کریں؟

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بنی تمیم کا ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں بہت مالدار ہوں اور میرے اہل و عیال بھی ہیں اور مہمانداری بھی خاصی ہوتی رہتی ہے، آپ ﷺ مجھے یہ بتایئے کہ میں کسطرح خرچ کروں اور اس معاملے میں کیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اپنے مال سے پہلے زکوٰۃ نکال اگر وہ زکوٰۃ کی مقدار کو پہنچتا ہے، اسلئے کہ زکوٰۃ مال کو خباثت سے پاک کر دیتی ہے اور پھر اقرباء سے مالی صلہ رحمی کر اور سائل، پڑوسی اور مسکین کے حقوق کی نگہداشت کر۔ اس شخص نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ اس تمام تفصیل کو جامع اور مختصر الفاظ میں فرما دیجیے (کہ میں اسکو دستورِ زندگی بنا لوں) تب آپ ﷺ نے یہ

> آیت پڑھ کر سنا دی: "پس ادا کرو قرابت والوں کو انکا حق اور مساکین کا اور مسافر کا اور ناحق ہرگز خرچ نہ کرو"۔ سائل نے یہ سُن کر عرض کیا کہ بس میرے لئے یہ کافی ہے۔ (۳۴)

لیجئے جناب! یہاں انفرادی بچت بھی آ گئی جو کہ قومی بچت کا ایک ذریعہ ہے، ارتکازِ زر کی بھی جڑ کٹی اور اوپر بیان کردہ ناجائز ذرائع بشمول ذخیرہ اندوزی اور ملاوٹ وغیرہ سے بھی جان چھوٹ گئی۔

یہ اللہ کے نبی ﷺ کی تعلیمات کا اعجاز ہے کہ آپ موجودہ نظام کو مت چھیڑیے، حکومت کو اپنا کام کرنے دیجئے، صرف اپنے طور پر ہی زیادہ نہیں تو صرف اوپر بیان کردہ تعلیمات نبوی ﷺ پر ہی عمل کر لیجئے یعنی 'انفرادی معیشت' کی اصلاح کر لیجئے اور پھر دیکھیے کہ زندگی کتنے توازن کیساتھ گزرتی ہے اور معاشرے میں موجود معاشی عدم توازن کس خوبی کیساتھ ختم ہوتا ہے۔

لُبِ لباب

کوئی بھی شخص اگر دولت اپنے پاس سمیٹ کر رکھے اور اسکو جمع کرنے یا خرچ کرنے میں محض اپنے ذاتی مفاد کو ملحوظ خاطر رکھے تو یہ صرف معاشرے کیلئے ہی نقصان دہ نہیں بلکہ انجام کار اسکا نقصان خود اس شخص کو بھی ہوگا۔ اگر ہر شخص دوسروں کو نقصان پہنچائے بغیر اکتساب مال کی کوشش کرے اور پھر اپنے کمائے ہوئے مال کو خرچ کرنے میں کفایت شعاری اور امداد باہمی کو ملحوظ رکھے تو معاشرے میں معاشی ناہمواری پیدا ہی نہیں ہو سکتی۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ McDonald اور KFC وغیرہ میں ایک برگر کی جتنی قیمت ہے وہ ایک غریب آدمی کی تین وقت کی روٹی کیلئے کافی ہے۔ ہمارے معاشرے میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو پانی میں مرچیں گھول کر سالن کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ کیا ہماری کمائی پر ان لوگوں کا کچھ حق نہیں ہے؟ کیا ہم سے آخرت میں ان لوگوں کے بارے میں کچھ باز پُرس نہ ہو گی؟

موجودہ حالات پر ایک سرسری سی نگاہ بھی سامراجی نظام معیشت کے تباہ کن اثرات کو ظاہر کرنے کیلئے کافی ہے۔ رہی سہی کسر ہماری کرنسی کی گرتی ہوئی ساکھ نے نکال دی ہے (یہاں مضمون کی طوالت کے خوف سے اسلام کے مالیاتی نظام کو زیر بحث نہیں لایا گیا۔ اس سلسلے میں تفصیلات کیلئے دیکھیے 'اسلامی ریاست کا مالیاتی اور بینکاری نظام' (۳۵) اور اسی قسم کی دوسری کتب)۔ نوجوان نسل انتہائی مایوسی اور ڈپریشن کا شکار ہے (۳۶)۔ ہر طرف نفسا نفسی کا دور دورہ ہے۔ خود غرضی اپنی انتہاؤں کو پہنچ رہی

ہے۔ ضروریاتِ زندگی کی کمی لوگوں کو خونی رشتوں کے ساتھ ساتھ مذہب و اخلاقیات سے بھی بیگانہ کر رہی ہے۔ کیا اب بھی وہ وقت نہیں آیا کہ ہم بجائے اجنبیت کے اخوت کو فروغ دیں اور ایک دوسرے کی مدد کریں؟ اس سے پہلے کہ آگ ہمارے دامن تک پہنچے ہمیں تعلیماتِ نبوی ﷺ کی طرف رجوع کرنا چاہیے کیونکہ نبوی ﷺ تعلیمات ہی عام خوشحالی، رفاہیت و انسانیت کی ضامن ہیں اور یہی 'ضمانت' معاشی نظام کا 'حاصل' ہے۔ اس دعا کے ساتھ اختتام کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح راہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

حوالہ جات

۱۔ محمد حفظ الرحمٰن، اسلام کا اقتصادی نظام، مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور (چوتھا ایڈیشن)، صفحہ 17

۲۔ سورۃ نحل، پارہ 14، آیت 71

۳۔ ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم، المحلی ابن حزم، مکتبہ دار التراث، قاہرہ، 1347ھ، جلد 6، صفحہ 157-158

۴۔ سورۃ حشر، پارہ 28، آیت 7

۵۔ سورۃ توبہ، پارہ 10، آیت 34-35

۶۔ خالد محمود، عالمی نظام سیاست و اقتصاد اور افغانستان کی عالمی تحریک، گوشہ علم و تحقیق مدینہ گارڈن جمشید روڈ نمبر 2 کراچی، صفحہ 340-341

۷۔ سورۃ بقرہ، پارہ 3، آیت 275

۸۔ سید ابو الاعلیٰ مودودی، سود، اسلامک پبلیکیشنز لاہور، 1996ء، صفحہ 31-32

۹۔ سورۃ روم، آیت 39

۱۰۔ محمد ابو عبداللہ ابن ماجہ، ابن ماجہ، دار الجلیل، 1998ء، باب الاجارہ، جلد 3، صفحہ 515

۱۱۔ خالد محمود، عالمی نظام سیاست و اقتصاد اور افغانستان کی عالمی تحریک، گوشہ علم و تحقیق مدینہ گارڈن جمشید روڈ نمبر 2 کراچی، صفحہ 250

۱۲۔ سورۃ النساء، پارہ 5، آیت 29

۱۳۔ ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، الترمذی، دار الغرب الاسلامی بیروت، 1998ء، جلد 2، صفحہ 498

۱۴۔ محمد حفظ الرحمٰن، اسلام کا اقتصادی نظام، مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور (چوتھا ایڈیشن)، صفحہ 242

۱۵۔ سورۃ القصص، پارہ 20، آیت 26

۱۶۔ علاؤ الدین المتقی، کنز العمال، مطبع مؤسسۃ الرسالۃ، 1409ھ، جلد 6، صفحہ 238

۱۷۔ ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری، مکتبہ دار ابن کثیر دمشق، 1990ء، باب الاجارہ، جلد 2، صفحہ 794

۱۸۔ محمد ابو عبداللہ ابن ماجہ، ابن ماجہ، دار الجلیل، 1998ء، باب الاجارہ، جلد 3، صفحہ 515

۱۹۔ محمد حفظ الرحمٰن، اسلام کا اقتصادی نظام، مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور (چوتھا ایڈیشن)، صفحہ 165-166

۲۰۔ " " " " " " صفحہ 167

۲۱۔ How The Other Half Dies: The Real Reasons For World Hunger, Susan George, Penguin Books, Harmondworth, Middlesex, UK, revised 1986 edition

۲۲۔ The Politics of World Hunger: Grass-Roots Politics and World Poverty, Paul and Arthur Simon, Harper's Magazine Press, New York USA, 1973

۲۳۔ ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری مترجم، ترجمہ مولانا وحید الزمان، مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور، جلد 2، صفحہ 918

۲۴۔ محمد حفظ الرحمٰن، اسلام کا اقتصادی نظام، مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور (چوتھا ایڈیشن)، صفحہ 61

۲۵۔ ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری، مکتبہ دار ابن کثیر دمشق، 1990ء، باب البیوع، جلد 2، صفحہ 730

۲۶۔ علاؤ الدین المتقی، کنز العمال، مطبع مؤسسۃ الرسالۃ، 1409ھ، جلد 2، صفحہ 100

۲۷۔ سورۃ بقرہ، پارہ 2، آیت 168

۲۸۔ محمد حفظ الرحمٰن، اسلام کا اقتصادی نظام، مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور (چوتھا ایڈیشن)، صفحہ 65-66

۲۹۔ ولی الدین محمد بن عبداللہ، مشکوٰۃ شریف مترجم، مترجم مقبول الرحمٰن، مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور، باب الاحتکار، جلد 2، صفحہ 66

۳۰۔ " " " " " صفحہ 66-67

۳۱۔ محمد حفظ الرحمٰن، اسلام کا اقتصادی نظام، مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور (چوتھا ایڈیشن)، صفحہ 74-75

۳۲۔ سورۃ الفرقان، پارہ 19، آیت 67

۳۳۔ محمد حفظ الرحمٰن، اسلام کا اقتصادی نظام، مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور (چوتھا ایڈیشن)، صفحہ 69

۳۴۔ " " " " صفحہ 71-72

۳۵۔ پروفیسر رفیع اللہ شہاب، اسلامی ریاست کا مالیاتی و بینکاری نظام، دوست ایسوسی ایٹس اکرم مارکیٹ اردو بازار لاہور، 1996ء

۳۶۔ نوجوان نسل معاشرے سے ناراض کیوں ہے؟، سنڈے میگزین روزنامہ جنگ، 19 مارچ 2006ء

نوٹ: اس مضمون میں آیات و احادیث کا لفظ بہ لفظ ترجمہ کرنے کی بجائے ان کا مفہوم بیان کیا گیا ہے۔

حیات بعد الممات۔ قدرت الٰہیہ کی ظاہری علامات

محمد اعظم سعیدی
مہتمم جامعہ اسلامیہ کورے وال، کراچی

فقلنا اضربوہ ببعضھا کذالک یحی اللہ الموتی ویریکم ایتہ لعلکم تعقلون۔

ترجمہ۔ سو ہم نے کہا کہ اس کے ایک حصے (ٹکڑے) سے اس مقتول کو مارو۔ اسی طرح زندہ فرمائے گا اللہ تعالیٰ مردوں کو اور وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔ (سورۃ بقرہ آیت ۷۳)

اس میں لفظ ایتہ استعمال ہوا ہے جو کہ اصل موضوع سخن ہے مگر پہلے یہ دیکھنا ہے کہ آیت کا معنی و مفہوم اور مراد کیا ہے۔ آیت ہر قسم کی عقلی و نقلی دلیل کو کہتے ہیں جبکہ اس کا معنی برہان، علامت و نشان، ذات اور جماعت بھی ہے۔

آیت کا معنی، نشان، حجت ظاہری، بالکل حق، جس میں شک کی گنجائش نہ ہو۔ قرآن، توریت، انجیل کا فقرہ یعنی کتب سماوی کا جملہ (فیروز اللغات ص ۴۹ مطبوعہ فیروز سنز سن ندارد)

صاحب تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی کہتے ہیں قرآن کے جملے کو آیت اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلیل، یا حضور اکرم ﷺ کی نبوت کی علامت و نشانی ہوتی ہے۔ یا ایک مفہوم پر مشتمل حروف کا مجموعہ ہوتا ہے یا اپنے مابعد کلام سے منفرد یا انسانی کلام سے علیحدہ ہونے کی پہچان ہے (بحوالہ تفسیر نعیمی زیر آیت ۱۳۵)

سید قاسم محمود لکھتے ہیں (آیت) نشانی، علامت، سطر، مصرعہ، قرآن کا وہ جملہ جو اپنے معنی کو ایک حد تک مکمل کرے جس کی ابتداء اور ایک انتہا ہو۔ پوری کائنات کو ایک علامت قرار دیا جاسکتا ہے۔

اور بعض مصاحب بھی ایک آیت کہلا سکتے ہیں۔ قرآن میں آیت کا لفظ عبرت کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے۔ اور قرآن کے ان جملوں کو بھی جو اپنا ایک واضح آغاز اور انجام رکھتے ہوں آیت کہتے ہیں (شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا ص ۶۱ مطبوعہ الفیصل ناشران و تاجران کتب لاہور سن ندارد)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے بعد مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے کے حوالے سے اپنی قدرت کاملہ پر بطور دلیل ظاہری آیت و علامت کا اظہار فرمایا ہے اور عقل مندوں کو یہ دعوت دی ہے کہ وہ اس ظاہری علامت و حجت میں غور و فکر کر کے ایک نظیر سے دوسری نظیر کو تسلیم کر لیں اور یہی عقل مندی کا تقاضہ ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ دلیل یا علامت کیا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر اپنی قدرت کے لیے بطور نشانی ظاہر فرمایا ہے۔ اگرچہ چند دوسری نشانیاں بھی سورۃ بقرہ کی مختلف آیات میں اظہر من الشمس ہیں مگر اس حجت ظاہری کے قریب ترین جو واقعہ ہے وہ ایک مخصوص بچھڑے کو ذبح کرنے اور اس کے گوشت کے کسی ایک حصے کو کاٹ کر مقتول شخص کے جسم پر مارنے سے مقتول کے زندہ ہوکر اپنے قاتل کا پتہ بتانے سے متعلق ہے۔ اس واقعہ کی مختصر تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

بنی اسرائیل کے ایک دولت مند شخص عامیل کو اس کے ایک رشتے دار نے یا بقول سدی اسکے بھتیجے نے یا ایک قول کے مطابق اس کے سگے بھائی نے (بحر المحیط ج ۱ ص ۳۰۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت سن طباعت ۱۴۱۲ھ) اسے قتل کیا اور الزام دوسرے لوگوں پر رکھ دیا۔ پھر مدعی اور مدعیان علیہ دونوں قاتل کا معلوم کرنے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ بغیر ثبوت کے کسی کو قاتل ٹھہرانے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق تم ایک بچھڑا ذبح کرو، پھر اسکے گوشت کا کوئی ایک حصہ اس مقتول کے جسم پر لگاؤ تو وہ مقتول زندہ ہوکر تمہیں اپنے قاتل کے بارے میں بتادیگا چنانچہ جب بچھڑا ذبح کیا گیا اور اس کے جسم میں سے ایک حصہ (بقول شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی (گائے) کے جسم کے حصے میں مختلف اقوال ہیں مثلاً زبان، دم، کان، ہڈی اور دل وغیرہ۔ تبیان القرآن زیر آیت ۷۳) کاٹ کر مقتول کے جسم پر مارا گیا تو وہ کچھ دیر کے لیے زندہ ہو گیا اور اپنے بھتیجے کی بطور قاتل نشاندہی کر کے پھر مرگیا، یہ ہے اس واقعہ کا خلاصہ جسے تقریباً ہر مفسر نے بیان کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو اپنی قدرت کاملہ کی ایک نشانی قرار دیا ہے کہ جو ایک مقتول کو چالیس سال بعد (مدارک ج ۱ ص ۴۳ زیر آیت ۷۳) دنیا میں ہی دوبارہ زندگی عطا فرما سکتا ہے وہ قیامت کے بعد تمام انسانوں کو بھی دوبارہ زندہ فرما سکتا ہے جس طرح اس مقتول نے چالیس سال بعد زندہ ہوکر دنیا میں

اپنے ساتھ پیش آنے والے واقعہ کو تمہارے سامنے پیش کیا ہے اور اپنے قاتل کی نشاندہی کی ہے۔ اسی طرح بعد قیامت زندہ کیئے جانے والے جملہ انسان اپنی دنیاوی زندگی سے متعلق تمام سوالات کے جوابات دینگے اور اپنے اعمال وافعال کی تصدیق خود ہی کرینگے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی قدرت کا یہ نمونہ دکھادیا ہے تا کہ تم اس نظیر پر غور کر کے قیامت کے بعد والی نظیر پر ایمان لے آؤ۔ نیز اللہ تعالیٰ ایسی نشانیاں اس لئے ظاہر فرماتا ہے کہ ایک تو تم عقل سے کام لے کر اس کی قدرت کاملہ پر استدلال کرسکو اور دوسرا تمہیں یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ ہر بات پر قادر ہے۔ چنانچہ صاحب مدارک لعلکم تعقلون کے ضمن میں لکھتے ہیں وھی ان من قدر علی احیاء نفس واحدۃ قدر علی احیاء جمیعھا یعنی جو ذات ایک مردہ کو زندہ کرسکتی ہے وہ تمام مردوں کو بھی دوبارہ خلعت حیات عطا کرسکتی ہے (مدارک ج اص ۴۴ زیر آیت ۷۳)

بچھڑا ذبح کرنے اور اس کے ذریعے قاتل کا پتہ لگانے کو ایک ہی واقعہ قرار دینا اگر چہ نظم قرآن کے اس لئے خلاف ہے کہ قرآن مجید میں وَاِذْ سے جتنے واقعات بیان ہوئے ہیں وہ سب اپنی نوعیت میں مستقل واقعات ہیں، اور یہ دونوں واقعات بھی الگ الگ وَاِذْ سے بیان کیے گئے ہیں پھر عامیل کے قتل ہونے اور بچھڑے کو تلاش کر کے ذبح کرنے کے درمیان ۴۰ سال کا وقفہ ہے، اس دوران لاش کا بے گور وکفن پڑے رہنا، لاش کا گلنے سڑنے اور متعفن ہونے سے محفوظ رہنا، موسمی اثرات و ماحولیات کا اثر وغیرہ قبول نہ کرنا، ایسی خلاف مشاہدہ باتیں اس تصور کو تقویت دیتی ہیں کہ بچھڑا ذبح کرنے کے حکم کا پس منظر کوئی اور واقعہ ہے۔ نیز طرہ یہ کہ بچھڑا ذبح کرنے کا حکم واقعہ قتل سے چالیس سال پہلے دیا گیا تھا۔ یہ اور اس طرح کے مزید دلائل ان دونوں واقعات کو الگ الگ ثابت کرتے ہیں مگر اسلاف مفسرین کی رعایت وتتبع میں ان دونوں واقعات کو تطبیق کی لڑی میں پرو کر ایک دوسرے سے جوڑا جاسکتا ہے۔

دونوں واقعات میں تطبیق یہ ہے کہ بنی اسرائیلیوں کی کسی سرکشی، حکم عدولی یا بچھڑے پرستی پر بطور سزا انہیں بچھڑا ذبح کرنے کا حکم دیا گیا۔ تو ان کی پہلوتہی، بہانے بازی اور حیل وحجت کے سبب ۴۰ سال بیت گئے، بالآخر جب دنیا کا مہنگا ترین وہ بچھڑا تلاش کرلیا گیا تو عین اس وقت عامیل قتل ہو گیا اور قاتل نے الزام دوسروں پر دھر دیا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر قاتل کو بے نقاب کرنے کی درخواست کی۔ تو حضرت موسیٰ نے انہیں اللہ تعالیٰ کا یہ حکم سنایا کہ اسی بچھڑے کو ذبح کرو اور اسکے گوشت کا ایک حصہ مقتول کی لاش پر مارو تو وہ زندہ ہو کر قاتل کے بارے میں خود ہی بتادے گا۔ چنانچہ اس

حکم پر عمل ہوا اور مقتول نے زندہ ہو کر بتادیا کہ مجھے میرے بھتیجے نے قتل کیا ہے۔

دوسری تطبیق یہ ہوسکتی ہے کہ واقعی مقتول کے قاتل کو بے نقاب کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں بچھڑا ذبح کرنے کا حکم فرمایا مگر بنی اسرائیلی قاتل کو چھپانے اور بچھڑے سے اپنی عقیدت ومحبت (جو سامری کے بچھڑے سے انکے دل میں در آئی تھی) کے باعث اس حکم پر عمل کرنے سے پہلوتہی کر رہے تھے جب کہ اللہ تعالیٰ قاتل کو بے نقاب کرنے کا ارادہ فرما چکے تھے۔ بنی اسرائیل جیسے جیسے حجتیں کر رہے تھے اللہ تعالیٰ بھی اسی طرح ان کے لئے سخت شرائط میں اضافہ فرماتے گئے بالآخر انہوں نے انشاء اللہ کہا اور شرائط کے مطابق وہ بچھڑا تلاش کرلیا، پھر اسے ذبح کیا اور اس کے گوشت کا ایک حصہ مقتول عامیل کے جسم سے لگایا تو اس نے زندہ ہو کر بتادیا کہ میرا قاتل میرا بھتیجا ہے، وہ مقتول جو ۴۰ سال تک بے گور وکفن، صحیح سالم پڑا رہا تو یہ بھی قدرت الٰہی پر ایک دلیل ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ وہ چالیس سال تک اس مقتول کو جوں کا توں رکھے اور اسے گوشت خور حیوانات وحشرات الارض سے بچائے رکھے جیسا کہ اس ذات قدیر نے فرعون کی لاش کو ۳۵۰۰ سال تک دریائے نیل کی ریت میں بحری حیوانات اور زمین کی دست برد سے محفوظ رکھا یا حضرت عزیر علیہ السلام کو حالت نیند میں وہ بھی کھلے میدان میں ایک سو سال تک اور اصحاب کہف کو بھی ۳۰۹ سال تک غار میں اسی لباس میں بحفاظت رکھا یا حضرت یونس علیہ السلام کو باختلاف روایات پانچ سات یا چالیس دن مچھلی کے پیٹ میں بحفاظت زندہ وسلامت رکھا۔ چنانچہ اسی ذات قدیر نے اپنی قدرت سے اس عامیل مقتول کے جسم کو بھی ۴۰ سال تک بحفاظت رکھا اور اس مذبوحہ بچھڑے کے گوشت کو قاتل کو بے نقاب کرنے کا سبب بنایا ہو۔ نیز بنی اسرائیل کے لیے یہ کوئی نیا واقعہ نہیں تھا بلکہ تبیان القرآن ج اص ۳۵۳ کے مطابق اس سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ نے ستر بنی اسرائیلیوں کو زندہ فرما کر انہیں اپنی قدرت کا کرشمہ دکھایا تھا۔

اسلاف مفسرین کی مطاوعت کے باوجود حقیقت یہ ہے کہ بچھڑا ذبح کرنے کا حکم اور عامیل کا زندہ ہو کر اپنے قاتل کی نشاندہی کرنا یہ دونوں الگ الگ مستقل واقعات ہیں، بچھڑا ذبح کرنے کا حکم عامیل کے قاتل کی نشاندہی کے لئے نہیں تھا بلکہ اس حکم کا پس منظر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل صدیوں تک مصریوں کے ساتھ رہنے کے باعث گئو سالہ یعنی بچھڑا پرستی میں مبتلا ہو گئے تھے، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کے بعد اگر چہ عملاً وہ بچھڑا پرستی ترک کر چکے تھے لیکن بچھڑے سے ان کی انسیت اور تعظیم واحترام باقی تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب سامری جادوگر نے بچھڑا بنایا تو اسے دیکھتے ہی سارے بنی اسرائیل سجدہ ریز ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں سے بچھڑے کی محبت کو مکمل طور پر نکالنے اور اس

سے متنفر کرنے کے لئے انہیں بچھڑے کو ذبح کرنے کا حکم دیا جس پر انہوں نے تقریباً ۴۰ سال بعد عمل کیا۔ لہٰذا یہ واقعہ اپنے پس منظر کے مطابق بالکل الگ ہے اور اس پر سب سے بڑی دلیل قرآن کا اسلوب ہے یعنی و اذ سے بیان کیا جانے والا ہر واقعہ ایک مستقل واقعہ ہوتا ہے۔

اسی طرح دوسرا واقعہ یعنی عامیل کا زندہ ہو کر اپنے قاتل کی نشاندہی کرنا یہ بھی الگ مستقل واقعہ ہے اور مذبوحہ بچھڑے کے کسی حصے کو مقتول کے جسم پر مارنے کا واقعہ تفسیری تخلیق ہے جبکہ قرآن مجید اپنے لفظوں سے ہی عامیل کے واقعہ کو و اذ سے بالکل الگ بتا رہا ہے۔۔۔ یہ واقعہ آیت ۷۲،۷۳ میں مذکور ہے، مقتول عامیل کے لئے لفظ نفسا استعمال ہوا ہے جب اسکے قتل کا الزام ایک دوسرے پر دھرا جا رہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اضربوہ ببعضھا (مارو اس مردہ (مقتول) پر اس کا ایک حصہ) یعنی مقتول کے جسم کا کوئی حصہ اس کے جسم پر مارو، کیونکہ اضربوہ میں ہ کی ضمیر نفسا کی طرف راجع ہے، اسی طرح ببعضھا میں ھا ضمیر مؤنث بھی نفسا کی طرف راجع ہے اس لئے کہ نفس مؤنث معنوی ہے اسکی طرف مذکر و مؤنث دونوں ضمیریں راجع ہوتی ہیں۔ لہٰذا مقتول کو اسکے اپنے جسم کے ایک حصے کی ضرب سے زندہ کیا گیا۔ اسکی تائید صاحب جواہر القرآن کی اس عبارت سے ہوتی ہے ان الضمیر فی ببعضھا راجع الی النفس ایضا و معناہ اضربو النفس القتیلۃ ببعض نفسھا کالید ونحوھا (یعنی ببعضھا کی ضمیر نفس کی طرف راجع ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ مقتول شخص کو اسکے اپنے جسم کے ہی ایک حصہ سے مارو جیسے ہاتھ وغیرہ سے (جواہر القرآن ج ا زیر آیت ۷۳ مطبوعہ کتب خانہ رشیدیہ راولپنڈی) یہاں ایک بات قابل غور ہے کہ بقرہ سے مراد کیا ہے؟

بقر۔ اسم جنس ہے جو مذکر و مؤنث دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اس کی واحد بقرہ ہے۔ (المنجد ص ۴۴ دار المشرق بیروت)

بقر۔ اسکی واحد بقرۃ ہے۔ اس کی جمع باقر، بقیر، بیقور ہے، وقیل للذکر ثور اس کے مذکر کو ثور کہا گیا ہے۔ (مفردات امام راغب۔ ص ۵۶ (عربی) نور محمد کارخانہ تجارت کتب۔ کراچی)

البقر۔ گائے، بیل نر و مادہ دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے، بقرۃ اس کی واحد ہے۔۔ بقر الوحش۔ نیل گائے، جنگلی گائے (القاموس الوحید، از مولانا وحید الزماں کیرانوی مطبوعہ ادارہ اسلامیات لاہور، کراچی)

اصل لفظ بقر ہے جو اسم جنس ہے، گائے، بیل، بھینس، سانڈ، نیل گائے نر و مادہ جنگلی گائے نر و مادہ کے لئے برابر استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ نیل بیل یا جنگلی بیل کے لیے بھی بقر الوحش بولا جاتا ہے، امام

راغب اصفہانی لفظ قیل کے ساتھ کہتے ہیں کہ بیل کو ثور کہا گیا ہے اگرچہ اس سے انکار ناممکن ہے لیکن قرآن مجید میں یہ لفظ ثور کہیں استعمال نہیں ہوا۔ البتہ تین چار مقامات پر لفظ عجل استعمال ہوا ہے جس کا معنی بچھڑا ہے اور اس لفظ بقرۃ سے بھی یہاں بچھڑا ہی مراد ہے۔ کیونکہ ان آیات میں بقرۃ کی جو اوصاف بیان کی گئی ہیں ان میں سے دو صفتیں بہت ہی اہم ہیں ایک یہ کہ اس سے زمین میں ہل چلانے کا کام نہ لیا گیا ہو، دوم اسے کھیت سیراب کرنے کے لیئے کنویں میں نہ جوتا گیا ہو۔ یہ دونوں کام معلوم دنیا میں بیلوں سے ہی لیے جاتے ہیں۔ نیز بنی اسرائیل جو اگر گائے کی پرستش کرتے تھے تو کیا وہ اپنے معبود سے زمین میں ہل چلواتے تھے؟ یا اسے کنویں میں بھی جوتتے تھے؟ جب کہ یہ دونوں کام گائے سے نہیں لیے جاتے لہٰذا یہاں بقرہ سے مراد گائے نہیں بلکہ بچھڑا ہے اور وہ بھی ایسا کہ جس سے محنت کا کوئی کام نہ لیا گیا ہو اگرچہ وہ جوانی میں قدم رکھ چکا ہو اسی طرح فارض اور بکر کے الفاظ ہیں کہ جو مذکر، بڑھاپے کے باعث اولاد بنانے کے اور مؤنث اولاد پیدا کرنے کے قابل نہ ہو اسے فارض کہتے ہیں یہ مذکر و مؤنث کسی بھی جنس سے تعلق رکھتے ہوں فارض ہی کہلائیں گے، ایسے ہی بکر، جوانی میں قدم رکھنے والی غیر استعمال شدہ مؤنث کو کہتے ہیں اور اسی تعریف کے حامل مذکر کو بھی بکر ہی کہتے ہیں۔ یعنی یہ دونوں صفتیں مذکر و مؤنث کے لئے استعمال ہوتی ہیں۔ لہٰذا لا ذلول تثیر الارض ولا تسقی الحرث جیسی صفتیں لا فارض اور لا بکر کو اپنے سایہ میں لے کر اشارہ دے رہی ہیں کہ بقرۃ سے مراد بچھڑا ہے۔ (میرے اس قول کی تائید و تصدیق امام راغب اصفہانی کی مفردات القرآن کے ان الفاظ سے ہوتی ہے۔ البقر (اسم جنس) کے معنی بیل یا گائے کے ہیں اس کا واحد بقرۃ ہے قرآن میں ہے ان البقر تشابہ علینا کیونکہ بہت سے بیل ہمیں ایک دوسرے کے مشابہ معلوم ہوتے ہیں۔ بقرۃ لا فارض ولا بکر کہ وہ بیل نہ تو بوڑھا ہو اور نہ بچھڑا ہو۔۔۔ بیل چونکہ کھیتی باڑی کے کام آتا ہے اس لئے زمین کو پھاڑنے اور جوتنے کے لئے بقر الارض کا محاورہ استعمال ہوتا ہے اور بیل چونکہ وسیع طور پر زمین کو پھاڑتا ہے اس لئے ہر وسیع شگاف کے لئے یہ لفظ استعمال ہونے لگا ہے (مفردات امام راغب مترجم محمد عبدہ فیروز پوری ص ۱۱۱ ج ا مطبوعہ شیخ شمس الحق اقبال ٹاؤن لاہور سن جون ۱۹۸۷ء)

علاوہ ازیں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ آثار قدیمہ کی تاریخ ہمیں یہ بتا رہی ہے کہ قدیم مصر سے لیکر قدیم سندھ تک کے مشرکین ہمیشہ بیل پرست رہے ہیں مصر، میسوپوٹیمیا، بابل و نینوا، فارس، موہن جو دڑو، عامری، گنویری والا، جلیل پور، ہڑپہ، ٹیکسلا اور گندھارا جیسی قدیم تہذیبوں کے کھنڈرات کی کھدائی کے دوران ان مقامات سے دیگر اشیاء کے علاوہ اس صنف میں زیادہ تر بیل کے ہی مجسمے ملے ہیں۔ اسی

طرح ان مقامات کے قدیم معابد میں سے دریافت شدہ پانچ سے سات ہزار سالہ قدیم تاریخی آثار میں مختلف دیوی دیوتاؤں کے مجسموں کے علاوہ نہ صرف بیل کے مجسمے ملے ہیں بلکہ بیل کی صورت میں کاشی کاری، مصوری اور نقاشی بھی ملی ہے۔ معابد یا معابد کے قرب وجوار میں نہ گائے کا مجسمہ ملا ہے اور نہ ہی تصویر کشی، نقاشی اور کاشی کاری میں گائے نظر آتی ہے، یہ تمام شواہد واضح کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل بچھڑے کی محبت وعقیدت میں گرفتار تھے اس لئے انہیں بچھڑا ذبح کرنے کا حکم دے کر یہ اشارہ دیا گیا ہے کہ بقرۃ کی جنس بیل، گائے، بھینس، بھینسا، سانڈ، نیل گائے یا جنگلی گائے (نر و مادہ) کوئی بھی محبت، تعظیم اور پرستش کے لائق نہیں ہے، البتہ اس بات سے بھی انکار ممکن نہیں کہ گاؤ ماتا کا تصور صرف ہند کے مشرکین میں نظر آتا ہے واللہ اعلم بالصواب۔

مقالہ نگاروں کے لیے خصوصی ہدایات

۱۔ مقالات علمی، فکری وتحقیقی نوعیت کے ہونے چاہئیں۔

۲۔ مقالات فل اسکیپ سائز کے اوراق پر کاغذ کے ایک طرف خوشخطی سے لکھے جائیں۔

۳۔ کمپوزڈ مقالات مع سی ڈی کے قابل ترجیح ہونگے۔

۴۔ بہتر ہوگا کہ مقالے کی اصل کاپی کے ساتھ دو نقول بھی ارسال فرمائیں۔

۵۔ مقالات ریفری کی مثبت رپورٹ کے بعد شائع کیے جائیں گے۔

۶۔ مقالہ نگار حضرات پہلے سے شائع شدہ مقالات ہرگز نہ بھیجیں۔ ورنہ ان کے مضامین کی اشاعت آئندہ کے لیے روک دی جائے گی۔

نوٹ: مجلس التفسیر بعض نامور علماء ومشاہیر اساتذہ کے جو علمی، فکری وتحقیقی مضامین منتخب کرکے شائع کرتی ہے وہ دراصل علمی ودینی خدمت کے پیش نظر ایسا کرتی ہے۔ مجلس التفسیر یہ سمجھتی ہے کہ نئے مگر معیاری مضامین ومقالات سے کہیں زیادہ بہتر ہے کہ پرانے مگر معیاری مضامین شائع کیے جائیں۔

(مجلس التفسیر)

یہود کا مذہبی ادب۔ قرآن کی نظر میں

سید عامر علی
رکن مجلس التفسیر، کراچی

دنیا کے کسی بھی مذہب کو سمجھنے کے سلسلے میں اہل مذہب کے دینی ادب کی اہمیت کو کسی طور پر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ہمارے نزدیک کسی بھی مذہب کو سمجھنے کے لیے سب سے صحیح اور موثر ذریعہ اس کی مذہبی کتابیں ہیں اور مذہبی کتابوں سے آگاہی حاصل کرکے ہی اس مذہب کے صحیح خدوخال اور اصل روح تک رسائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ اس اصول کی روشنی میں سب سے پہلے یہودیت کے دینی ادب کا مختصر تعارف پیش کریں گے اور پھر اس پر قرآن مجید کی روشنی میں ایک تحقیقی اور جامع بحث کریں گے۔ (انشاء اللہ عزوجل) ''وما توفیقی الا باللہ''

یہودیت کے دینی ادب کا مختصر تعارف

یہودیت کے دینی ادب کو عہد عتیق Old testament کہا جاتا ہے جو بائبل Bible کا ایک حصہ ہے۔ عہد عتیق کی دو قسمیں ہیں۔

الف۔ معتبر کتب: جس کی صحت پر جمہور علماء یہود و نصاریٰ متفق ہیں۔

ب۔ غیر معتبر کتب: جس کی صحت میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

الف: عہد عتیق کی پہلی قسم (معتبر کتب):

عہد عتیق کی یہ قسم یہودیوں کے ۳۸ مقدس صحیفوں پر مشتمل ہے شروع کے پانچ صحیفوں کے مجموعے کو تورات کہا جاتا ہے۔

تورات کے مشمولات:

۱۔ سفر تکوین: اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے لوگوں اور خاص طور پر آل یعقوب کا حال بیان ہوا ہے۔ اس مجموعہ کو پیدائش بھی کہتے ہیں۔

۲۔ سفر خروج: اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے لے کر ان کے اعلان نبوت، کوہ طور پر جانے اور ان کو احکام دیے جانے تک کے احوال مذکور ہیں۔

۳۔ سفر احبار: اس میں بڑی خصوصیت کے ساتھ بنی اسرائیل کی عبادتوں کے طریقے کا ذکر ہے۔

۴۔ سفر عدد: اس میں خروج کے بعد کے بنی اسرائیل کے احوال مذکور ہیں۔ اس کے علاوہ تدریجی احکام و قوانین کا ذکر کیا گیا ہے۔

۵۔ سفر استثناء: اس میں تاریخی پس منظر پر نظر ڈالی گئی ہے۔ یہ صحیفہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے ذکر پر ختم ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا پانچ صحائف کو اصل تورات کہا جاتا ہے اور اس کی نسبت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف کی جاتی ہے۔ عہد عتیق میں تورات کے پانچ صحائف کے بعد ۳۳ صحائف شامل ہیں۔ جو مختلف انبیاء علیہ السلام کی طرف سے منسوب ہیں ذیل میں ان ۳۳ صحائف کا تعارف پیش کیا جا رہا ہے۔

۱۔ کتاب یوشع بن نون[۱۲]	۲۔ کتاب القضاۃ[۱۳]
۳۔ کتاب راعوت[۱۴]	۴۔ سفر صموئیل اول[۱۵]
۵۔ سفر صموئیل ثانی[۱۶]	۶۔ سفر ملوک الاول[۱۷]
۷۔ سفر ملوک الثانی[۱۸]	۸۔ السفر الاول من اخبار الایام[۱۹]
۹۔ السفر الثانی من اخبار الایام[۲۰]	۱۰۔ السفر الاول لعزرا[۲۱]
۱۱۔ السفر الثانی لعزرا[۲۲]	۱۲۔ کتاب ایوب[۲۳]
۱۳۔ زبور[۲۴]	۱۴۔ امثال سلیمان[۲۵]
۱۵۔ کتاب الجامعہ[۲۶]	۱۶۔ کتاب نشید الانشاد[۲۷]
۱۷۔ کتاب اشعیا[۲۸]	۱۸۔ کتاب ارمیا[۲۹]
۱۹۔ مراثی ارمیا[۳۰]	۲۰۔ کتاب حزقیال[۳۱]
۲۱۔ کتاب دانیال[۳۲]	۲۲۔ کتاب ہوشع[۳۳]
۲۳۔ کتاب یوایل[۳۴]	۲۴۔ کتاب عاموس[۳۵]

۲۵۔ کتاب عبدیاہ[۳۶]	۲۶۔ کتاب یوناہ[۳۷]
۲۷۔ کتاب میکاہ[۳۸]	۲۸۔ کتاب ناحوم[۳۹]
۲۹۔ کتاب حبقوق[۴۰]	۳۰۔ صفنیاہ[۴۱]
۳۱۔ کتاب حجی[۴۲]	۳۲۔ کتاب زکریاہ[۴۳]
۳۳۔ کتاب ملاخیاہ[۴۴]	

مذکورہ بالا ۳۸ کتب جمہور علماء یہود کے نزدیک معتبر و تسلیم شدہ ہیں سوائے سامری فرقہ کے کہ ان کی نزدیک صرف سات کتابیں مسلّم ہیں جن میں پانچ تورات، کتاب یوشع بن نون اور کتاب القضاۃ شامل ہیں۔

ب: عہد عتیق کی دوسری قسم (غیر معتبر کتب):

عہد عتیق کی دوسری قسم کل ۹ صحائف پر مشتمل ہے۔ یہ وہ کتابیں ہیں جن کی صحت میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

۱۔ کتاب آستر[۴۵]	۲۔ کتاب باروخ[۴۶]
۳۔ کتاب دانیال کا ایک جزو[۴۷]	۴۔ کتاب طوبیا[۴۸]
۵۔ کتاب یہودیت[۴۹]	۶۔ کتاب دانش[۵۰]
۷۔ کلیسائی پند و نصائح[۵۱]	۸۔ کتاب المقابین الاول[۵۲]
۹۔ کتاب المقابین الثانی[۵۳]	

متذکرہ بالا تمام کتاب مختلف انبیاء علیہ السلام کی نسبت سے یہودیوں کے مذہبی ادب کا حصہ ہیں۔ ہمارے نزدیک ان میں سے کسی کتاب کو قطعیت کے ساتھ کسی نبی کی طرف سے منسوب نہیں کیا جا سکتا سوائے "کتاب زبور" کے کہ جس کا حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف منسوب ہونا نص قرآن سے ثابت ہے۔ چنانچہ جس روایت کی تصدیق قرآن مجید کرتا ہو وہ یقیناً مقبول ہے اور اگر تکذیب کرتا ہو تو یقینی طور پر مردود ہے اور اگر اس کی تصدیق و تکذیب سے قرآن خاموش ہے تو ہم بھی خاموشی اختیار کریں گے نہ تصدیق کریں گے اور نہ تکذیب۔

راقم الحروف نے خوف طوالت کے زیر اثر یہودیت کے مذہبی ادب کے مختصر تعارف پر اکتفا کیا ہے جب کہ اس کے برعکس مناظر اسلام مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے اپنی کتاب[۵۴] میں بڑی تفصیل کے ساتھ یہودیت کے مذہبی ادب پر محققانہ تبصرہ کیا ہے۔

حوادث زمانہ کے ہاتھوں تورات کا تلف ہونا اور اس کی نشاۃ ثانیہ

تاریخ سے ثابت ہے کہ حوادث زمانہ کے ہاتھوں تورات کئی بار تلف ہوئی۔ ۷۰۰ قبل مسیح میں سنے کرب حملہ آور ہوا اور یروشلم کا محاصرہ کر لیا۔ ۶۰۰ قبل مسیح میں بخت نصر حملہ آور ہوا اور یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ اس تباہی کا ذکر قرآن مجید ۴۹ نے بھی کیا اور اس تباہی میں تورات خاکستر ہو گئی اور یہودیوں کو مملکت بابل میں جلاوطن کر دیا گیا۔ تیسری دفعہ ۱۷۰ قبل مسیح میں یونانی بادشاہ انٹیوکس نے یروشلم پر حملے کیے، مقدس صحیفوں کو جلایا اور یہودیوں کا قتل عام کیا۔ ۷۰ء میں چوتھی مرتبہ شہزادہ روم نے یروشلم پر حملہ کر کے اسے پیوند خاک کر دیا۔ شہزادہ روم کے حملے کے تقریباً ۶۵ سال بعد یہودوں کا رومیوں سے پھر مقابلہ ہوا جس میں پانچویں دفعہ یہودی شکست سے دوچار ہوئے۔ پھر ۴۰۰ء کے قریب چھٹی مرتبہ وحشی اقوام یہودیوں پر حملہ آور ہوئیں جس کے نتیجے میں یہودیوں کے مکتوبات، صحیفے اور کتب خانے نذر آتش ہو گئے۔ ساتویں مرتبہ ۶۱۳ء میں شاہ ایران خسرو پرویز نے یروشلم پر چڑھائی کر کے اسے تباہ و برباد کر دیا۔ اس تمام تفصیل سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ یہودیوں کے اصل صحائف مقدسہ حوادث زمانہ کی نذر ہو گئے۔ ۵۰

تورات کی نشاۃ ثانیہ:

تحقیق سے اس بات کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ملتا کہ موجودہ صحائف تورات کب مرتب ہوئے عام خیال یہ ہے کہ بخت نصر کے یروشلم پر حملے کی تقریباً نصف صدی کے بعد عزرا نبی (حضرت عذیر علیہ السلام) نے اسیری کے زمانے میں اسفار موسیٰ کو بالمعنی طور پر جمع کیا لیکن اس کے بعد یونانیوں اور رومیوں کے مسلسل حملوں نے ایک بار پھر بخت نصر کی یاد تازہ کر دی جس کے نتیجے میں یہودی حضرت عذیر علیہ السلام کی جمع کردہ تورات سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔ اس کے بعد یہوداہ مقانی نے تورات کی بالمعنی طور پر از سر نو تدوین کی مگر اس کے باوجود یہ کئی بار ضائع ہوتی رہی اور اسے بار بار جمع کیا جاتا رہا۔ ۵۱

فلسطین طویل عرصے تک سکندر اعظم کے زیر اقتدار رہا۔ سکندر اعظم نے اپنی فتوحات کا سلسلہ یہاں تک وسیع کیا کہ اس کی فوجیں پنجاب تک اپنی فتح کے علم گاڑتی ہوئی بڑھتی چلی گئیں۔ ۵۲ سکندر اعظم کی عالمگیر فتوحات کے سیلاب نے حکومت کے ساتھ یہودیوں کے علوم و آداب پر بھی گہرا اثر ڈالا جس کے نتیجے میں ۲۸۰ قبل مسیح میں تورات کی تمام کتابیں یونانی زبان میں منتقل کر دی گئیں اور رفتہ رفتہ اصل عبرانی نسخہ متروک ہو کر یونانی ترجمہ رائج ہو گیا۔ ۵۳

موجودہ تورات کے متعلق یہودی اور عیسائی علماء و مفکرین کا نظریہ

تورات میں تحریف اور بگاڑ پیدا ہونے کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ وہ سات بار تباہ و برباد ہو کر کرۂ ارض سے ناپید ہوئی، کسی کتاب کا اتنی بار صفحۂ ہستی سے مٹنا ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ کتاب اپنی اصلی حالت میں قائم نہیں رہی۔ یہ دلیل اتنی روشن تھی کہ جس کی ضیاء پاشی کے سامنے یہودی اور عیسائی علماء کے چراغ بھی ماند پڑ گئے اور آخرکار انہیں تسلیم کرنا پڑا کہ تورات تحریف و تبدل سے مبرا نہیں ہے۔ یہود و نصاریٰ کے انہی اعترافات کو بیان کرتے ہوئے دور حاضر کے مفسر قرآن علامہ غلام رسول سعیدی رقم طراز ہیں۔

"پہلی صدی عیسوی تک تمام یہودیوں اور عیسائیوں کا یہ متفقہ عقیدہ تھا کہ تورات باقی تمام صحائف سمیت یعنی مکمل عہد نامہ قدیم لفظاً لفظاً وحی منزل من اللہ (اللہ کا کلام) ہے۔ اور یگن متوفی ۲۵۴ء پہلا عیسائی عالم تھا جس نے یہ اعتراف کیا کہ عہد نامہ قدیم کی بعض عبارتیں معنوی طور سے صحیح نہیں ہیں اور بعض عبارات اخلاقی اعتبار سے پست اور مذموم ہیں۔۔۔۔ اسی طرح ایک ہسپانوی یہودی عالم ابن عذراء متوفی ۱۱۶۷ء نے تحقیق کی کہ صحائف خمسہ (تورات) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کی تالیف ہیں۔ ایک فاضل جرمن عالم راورس متوفی ۱۷۶۸ء نے بائبل کے منزل من اللہ ہونے سے انکار کیا"۔ ۵۴

انسائیکلو پیڈیا کا اعتراف:

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا انگلستان کے بہت سے علماء کی متفقہ تالیف ہے جس میں واضح طور پر تورات کے الہامی نہ ہونے کا اعتراف کیا گیا ہے جو مندرجہ ذیل ہے۔

"وہ تمام حالات و واقعات جو اس (تورات) میں بیان کیے گئے ہیں جیروم، کرومیس، پروکوپیس اور بہت سے دوسرے علماء کہتے ہیں کہ ان کا ہر قول الہامی نہیں ہے"۔ ۵۵

انسائیکلو پیڈیا امریکانا میں بھی عہد نامہ قدیم کو خدائی کتاب ماننے سے انکار کیا گیا ہے۔ جو مندرجہ ذیل ہے۔

"حقیقت یہ ہے کہ عہد نامہ قدیم اپنے ابتدائی زمانہ میں کوئی مذہبی تقدس نہیں رکھتا تھا اس لیے جہاں بھی تبدیلیوں سے مضمون میں اصلاح کی امید کی جاتی تھی وہاں تبدیلیاں کر دی جاتی تھیں"۔ ۵۶

قرآن کی رو سے تورات کی حیثیت

قرآن کریم کی رو سے تورات کا دین وہی تھا جو خود قرآن کا دین ہے اور موسیٰ علیہ السلام اسی

طرح اسلام کے پیغامبر تھے جس طرح نبی کریم ﷺ ہیں۔ ابتداء میں بنی اسرائیل اسی دین کے عالم تھے مگر بعد میں انہوں نے اصل دین میں اپنی خواہشات کے مطابق تبدیلیاں کر کے ایک نیا مذہبی نظام یہودیت ۵۷ کے نام سے بنالیا۔ اسطرح تورات کی دو حیثیتیں ہیں ایک اصل تورات جو منزل من اللہ ہے اور قرآن اس کی تصدیق کرتا ہے۔ دوسری موجودہ تورات جس کے محرف ہونے پر نہ صرف قرآن شاہد ہے بلکہ خود علماء یہود بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں۔

اصل تورات منزل من اللہ ہے:

قرآن مجید میں کئی مقامات پر تورات کے لیے تعریفی اور ستائشی کلمات استعمال ہوئے ہیں۔ تورات کی تعریف کرنا قرآن کریم کا امتیاز ہے ورنہ کسی اور مذہبی کتاب نے کسی دوسری مذہبی کتاب کی اس قدر تعریف اور ستائش نہیں کی۔ قرآن مجید تورات کو کہیں ہدایت اور نور ۵۸ قرار دیتا ہے تو کہیں فرقان، ضیاء اور نصیحت ۵۹ جیسی تعریفی سند عطا کرتا ہے۔ قرآن کریم کا اس قدر تعریف کرنا ہی تورات کے منزل من اللہ ہونے کی دلیل ہے۔ تورات کے منزل من اللہ ہونے پر دوسری بڑی دلیل قرآن کا تورات کی تصدیق کرنا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"نزل علیک الکتاب بالحق مصدقا لما بین یدیه وانزل التورة" ۔۶۰

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر کرتے ہوئے صاحب تفہیم القرآن کہتے ہیں:

"قرآن کریم تورات کی تصدیق کرتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ان اجزاء (تورات) کو جمع کر کے جب قرآن سے ان کا تقابل کیا جاتا ہے تو بجز اس کے کہ بعض مقامات پر جزوی احکام میں اختلاف ہے اصولی تعلیمات میں دونوں کتابوں کے درمیان یک سر موفرق نہیں پایا جاتا آج بھی ایک ناظر صریح طور پر محسوس کرسکتا ہے کہ یہ دونوں چشمے ایک منبع سے نکلے ہوئے ہیں" ۔۶۱

موجودہ تورات کے محرف ہونے کا ثبوت

صاحب تدبر قرآن کے نزدیک تحریف کا مفہوم ہے "حرف الشیء عن وجہہ" جس کے معنی ہیں "کسی شے کو اس کے صحیح رخ سے موڑ کر دوسری سمت میں کر دینا" اسی سے "حرف الکلام" ہے جس کے معنی بات یا کلام کے بدل دینے کے ہیں۔ ۶۲ تحریف پر تحریف کا اطلاق صرف اسی صورت میں ہوتا ہے جب وہ دانستہ طور پر بجھ بوجھ رکھنے کے باوجود کی جائے۔ یہی علم و شعور ہے جو در حقیقت تحریف کو ایک سنگین جرم بناتا ہے۔ یہودیوں کے علماء اسی سنگین جرم کے مرتکب ہوئے تھے جس کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے:

وقد کان فریق منهم یسمعون کلام اللہ ثم یحرفونه من بعد ما عقلوہ وهم یعلمون ۔۶۳

تحریف سے متعلق آیات کی تفسیر کرتے ہوئے صاحب ضیاء القرآن رقم طراز ہیں:

"تحریف دو طرح کی ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ الفاظ میں ہی ردو بدل کر دیا۔ اصل عبارت کچھ تھی اس کو بگاڑ کر رکھ دیا دوسری یہ کہ الفاظ میں تو قطع و برید نہ کی لیکن اس کا مفہوم غلط بیان کر دیا۔ یہود اپنی آسمانی کتاب میں دونوں طرح کی تحریف سے باز نہیں آتے تھے" ۔۶۴

یحرفون الکلمه عن مواضعه ۶۵ کی تفسیر کرتے ہوئے صاحب تفسیر مظہری فرماتے ہیں: "یہود تورات میں موجود اللہ تعالیٰ کے احکام کو پھیر دیتے تھے ایک قول یہ کہا گیا کہ اس سے مراد حضور ﷺ کی نعت کو بدلنا ہے ایک قول ہے کہ غلط تاویل کرنا یہ جملہ مستانفہ ہے جو ان کے دل کی سختی بیان کرنے کے لیئے آیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں تحریف اور اس پر افتراء باندھنا انتہائی سخت دل ہونے کا نتیجہ ہے" ۔۶۶

قرآن کریم نے تورات کو محرف اور موضوع بھی فرمایا ہے اور اس کی تصدیق بھی کی ہے اس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ کل موجودہ تورات کو قرآن مجید محرف اور موضوع نہیں فرماتا اور نہ کل کی تصدیق کرتا ہے یعنی قرآن کریم پوری تورات کو تحریف شدہ قرار نہیں دیتا بلکہ صرف ان مقامات کو جہاں علماء یہود نے تبدیلیاں کر دیں اور اسی طرح قرآن مجید پوری تورات کی تصدیق نہیں کرتا بلکہ صرف ان مقامات کا مصدق ہے جن مقامات پر احکام الٰہی آج بھی اپنی اصلی حالت میں موجود ہیں۔

موجودہ تورات کی بعض وہ آیات جن کا قرآن مصدق ہے:

تورات کی بعض آیات ایسی ہیں جو آج بھی اپنی اصلی حالت میں موجود ہیں۔ قرآن مجید نے جو فرمایا ہے کہ وہ تورات کا مصدق ہے اس کا تعلق ان ہی آیات سے ہے۔ ذیل میں تورات کی ان چند آیات کا ذکر کیا جارہا ہے جو قرآن کے معیار پر پورا اترتی ہیں۔

تورات کی آیات

۱۔ "سن اے اسرائیل اخداوند ایک ہی خداوند ہے" (استثناء باب ۵: آیت ۴)

۲۔ اور تجھ کو ذرا ترس نہ آئے جان کا بدلہ جان، آنکھ کا بدلہ آنکھ، دانت کا بدلہ دانت، ہاتھ کا بدلہ ہاتھ اور پاؤں کا بدلہ پاؤں۔ (استثناء باب ۱۹: آیت ۲۱)

۳۔ اپنے باپ اور اپنی ماں کی عزت کرنا۔ (استثناء باب ۲۷: آیت ۱۶)